رشید اختر

مالکی فقہاء

امام مالکؒ

امام شافعیؒ کی طرح امام مالکؒ کا مسلک بھی علمائے حدیث میں بہت مقبول و پسندیدہ رہا۔ اس لیے کہ امام مالکؒ بھی حدیث کی موجودگی میں قیاس و رائے کو قابل حجت نہ سمجھتے تھے۔

مولانا شبلی نے امام مالکؒ کے طریق کار کی مقبولیت میں ان کے علمی خاندان کو بھی ایک وجہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی۔ یہ یقیناً صحیح ہے کہ حضرت امام مالک مدینہ میں قیام فرما تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقد تھا۔ وہ رسول اللہ صلعم کی مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھاتے تھے۔ اس لیے یہ بات ضروری تھی کہ چہار اطرافِ عالم سے جو لوگ مسجد نبویؐ کی زیارت کے لیے آتے وہ امام مالکؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف پاتے۔ مولانا شبلی کا یہ محض ذاتی قیاس ہے۔ امام مالکؒ کی محض شخصیت اور ان کا ذاتی علم ہی ان کے قبولِ عام کا سبب بنا۔ امام مالک اپنے وقت کے سب سے بڑے محدث و فقیہ تھے۔ وہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی بڑے سے بڑے حاکم کے حکم کو بھی قابلِ اعتنا نہ سمجھتے تھے۔ جب منصور نے انہیں طلاق کے بارے میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے روکا تو وہ نہیں رُکے۔ انہوں نے کوڑے کھائے مگر صحیح حدیث کو چھپانا جائز نہ سمجھا۔

امام مالکؒ کا مسلک

امام مالکؒ کا مسلک بہت واضح ہے۔ ان کے نزدیک فقہ و حکمت، قرآن و حدیث کے غوامض سے واقفیت کا نام تھا۔ قرآن و حدیث سے ہٹ کر قیاس ان کی نگاہ میں جائز نہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں:۔

الحکمۃ طاعت اللہ والاتباع لہا۔ والفقہ فی الدین والعمل بہ۔ یعنی اللہ کی اطاعت و اتباع

اور فقہ فی الدین اور علم کے نزدیک سب سے بڑی حکمت و دانائی تھی جس شخص کے نزدیک طاعتِ الٰہی اور دینی علم ہی حکمت ہو، وہ کسی ذاتی قیاس کو کوئی اہمیت نہیں دے سکتا۔ ان کے نزدیک فقہ اللہ کی دین تھی جو دینی معلومات میں تبحّر کا نتیجہ تھی۔

یہ فقہ ان کے نزدیک یقیناً حجت تھی۔ اس کا درجہ آخری تھا۔ ان کے ہاں پہلی ادلہ صرف تین تھیں۔ قرآن، سُنّت، اس میں سنتِ رسول اللہ علیہ وسلم، سنتِ صحابہؓ اور تابعین بھی شامل تھیں۔ اس کے بعد اجماع اور پھر قیاس تھا۔

مؤطا پہ غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب نے مسائل بیان کرتے وقت یہی اسلوب ملحوظ رکھا۔ مثلاً (کتاب الصید) میں اکل دواب کی کراہت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کی اس آیت سے دلیل لی۔

وَالخیلَ وَالبغالَ والحمیرَ لترکبوھا و زینۃً"

اس کے علاوہ کئی اور آیات بھی پیش فرمائیں۔ اور پھر آخر میں فرمایا:-

"اِن احسن ما سمع فی الخیل والبغال والحمیر انہا لا تؤکل"

اس سماع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ تابعین اور ان کے دور کے بزرگ علماء شامل تھے۔ مثلاً مساقات کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں[۱]:-

السنۃ فی المساقات عندنا انہا تکون فی اصل کل نخل او کرم او زیتون او رمان او فرسک او ما اشبہ ذٰلک من الاصول جائز لا باس بہ علیٰ ان لرب المال نصف الثمر من ذٰلک"۔

اسی طرح وہ ایک جگہ فرماتے ہیں[۲]:-

والامر المجتمع علیہ عندنا والسنۃ التی لا اختلاف فیہا والذی ادرکت علیہ اھل العلم ببلدنا انہ لا یرث المسلم الکافر بقرابۃ ولا ولاء ولا رحم ولا یحجب

۱، ۲ے المؤطا جزء ۲ ص ۱۸۸، ۱۸۷ء

احلاً عن میراثہ"۔

یقیناً ان کے نزدیک رائے وقیاس بھی حجت تھے مگر انہوں نے ان پر بہت کم تکیہ کیا، اور بہت کم باتوں میں اپنی رائے استعمال کی۔ مثلاً خود ہی مؤطا میں فرماتے ہیں:۔

اما اکثر ما فی الکتب برائی فلعمری ما ھو برای ولکنی سماعٌ من غیر واحد من اھل العلم والفضل والائمۃ المقتدیٰ بھم الذین اخذت عنھم وھم الذین کانوا یتقون اللہ۔

"اس کتاب میں میں نے اکثر جہاں "اپنی رائے" کا لفظ استعمال کیا ہے وہ میری رائے نہیں ہے وہ کئی اہل علم وفضل اور ائمہ مقتدیٰ سے سماع ہے میں نے یہ باتیں ان سے سنیں اور یہ وہ لوگ تھے جو اللہ سے ڈرتے تھے"۔

دوسرے لفظوں میں حضرت امام حتی الوسع، اپنے سے پہلے بزرگوں کے سماع وطریق کار کو حجت سمجھتے رہے جہاں انہوں نے اپنی رائے استعمال کی وہ وہی جگہیں تھیں جہاں انہیں ایسی کوئی واضح مثال نہ ملی۔

اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ کو مدینہ کے بڑے بڑے تابعین کی صحبت وشاگردی کا فخر حاصل ہوا، انہوں نے ان بزرگوں سے کسبِ فیض کیا۔ جن کا وجود ہر شبہ سے بالا تھا جو اپنے زمانہ میں حجت رہے۔ اس کے علاوہ وہ مدینہ میں رہتے تھے۔ اس جگہ جہاں اسلام نے پرورش پائی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بڑے بڑے صحابہؓ نے زندگیاں گذاریں، اور جہاں ہزاروں صحابہ کی اولاد قیام فرما تھی۔ کوئی تحریک جس بستی میں بڑھتی ہے وہاں اس کی تاریخ ہر گھر کے ایک ایک فرد کے حافظہ پر نقش ہو جاتی ہے۔ اس شہر یا بستی کے باشندوں کا چلن ہی اس تحریک کی بہت سی باتوں پر سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ مدینہ کے اصحابِ علم یقیناً حجت تھے۔ یقیناً مدینہ والوں کا کسی بات پر اتفاق حجتِ قطعی تھا۔ وہ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں کثرتِ رائے سے فیصلہ کرتے تو وہ قابلِ تسلیم تھا۔ امام مالک یہیں پلے، یہیں بڑھے اس لیے ان کا مذہب اور ان کا مسلک اسلام اور اس کے منشا سے زیادہ قریب ہے اور یہی وجہ تھی کہ جنہوں نے اسلام کو اس کی اصل صورت میں اختیار کرنا چاہا۔ انہوں نے امام مالکؒ کے مسلک کو پسند کیا اور ترجیح دی۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ ان کے

شاگرد جہاں کہیں پہنچے ان کے مسلک کے مبلغ بنے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے ان شاگردوں کا ذاتی اثر و رسوخ ان کے مسلک کی ترویج و اشاعت کا بھی ایک ذریعہ تھا۔ مثلاً پورے اندلس میں ان کے طریق کار کی پابندی اس لیے کی گئی کہ حضرت یحییٰ بن یحییٰ، حضرت امام مالک کے فیوض و برکات سے دامن بھرنے کے بعد جب اندلس پہنچے تو ان کی شخصیت بہت اُبھری اور وہ اندلس کے سب سے بڑے مقتدر عالم بنے۔ بادشاہوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑا۔ وہی اندلس کی حکمت عملی وضع کرتے اور وہی ہر جگہ کی عدالتوں کی نگرانی فرماتے۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یحییٰ کی اس شخصیت و اقتدار کا اصلی سبب کیا امام مالکؒ کا عطا کیا ہوا علم نہ تھا۔ کیا وہ بے باکی، وہ بے غرضی اور پاکیزگی اخلاق نہ تھی، جو امام مالکؒ نے ان کے اندر پیدا کی تھی؟

مولانا شبلیؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ عراق میں حنفی مذہب کی مقبولیت بہت زمانہ تک رہی۔ مولانا شبلی یہ کہتے وقت بھول گئے کہ مامون کے دور میں جب یحییٰ بن اکثم نے ابو یوسف کی جگہ لی تو حنفی اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ یحییٰ بن اکثم شافعی المذہب تھے۔

یہ بات محض ضمنی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسری، تیسری اور چوتھی صدی میں جو قبول عام امام مالکؒ کے مسلک کو عالمِ اسلام میں نصیب رہا، وہ کسی دوسرے مسلک کو نہیں ہوا۔ حنفی مذہب کی صحیح اشاعت اس وقت ہوئی، جب عربوں کی جگہ ایشیائی قوموں نے اسلام قبول کیا۔ اور انہوں نے سیاست کی مسند پر جگہ پائی۔ اور وہ بھی پہلی پانچ صدیوں میں نہیں، چھٹی صدی کے بعد جب غزنوی، غوری، ترک اور سلجوق برسرِ اقتدار آئے۔ بنو عباس، بنو بویہ، حتیٰ کہ ایوبیوں کے اقتدار کے وقت بھی مشرق میں شافعیت غالب رہی اور مغرب یعنی اندلس میں مالکیت۔

عہدِ بنو عباس کے فقہاء

یوں فقہائے مالکیہ کی تعداد بہت ہے خصوصیت سے اندلس میں کوئی سات سو سال تک متواتر فقہائے مالکیہ برسرِ اقتدار رہے۔ ان فقہاء کا ذکر ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہم یہاں صرف ان فقہائے مالکیہ کا ذکر کریں گے جو بنو عباس یا ان کی ذیلی حکومتوں کے دوران نامور ہوئے:۔

ابن القاسم

ان سب میں ممتاز، اور السابق الاول ابوعبداللہ عبدالرحمن بن القاسم ہیں۔ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ زہد و علم بدرجۂ اتم ان میں موجود تھے۔ امام مالک کے سب سے بڑے شاگرد تھے۔ ان کے ساتھ بیس سال تک رہے اور وہ کچھ سیکھا جو دوسرے سیکھ نہ سکے۔ فقہ مالکی میں مؤطا کے بعد سب سے اہم کتاب "المدوّنہ" ہے جس میں حضرت امام کے تمام وہ اقوال درج ہیں۔ جنہیں ابن القاسم نے بیس برس کی صحبت و مجالست میں حضرت امامؒ سے سنا۔[1]

حضرت امام کی موت کے بعد ابن القاسم مصر آگئے تھے اور چونکہ وقت کے ایک بڑے امام کے شاگرد رشید تھے۔ اس لیے مرجع خاص و عام بنے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے علم سیکھا، اور ہزاروں لوگ ان سے فیض پانے کے سبب مالکی بن گئے۔

مصر میں امام مالکؒ کی عقیدت کا دامن پھیلانے والے پہلے وہی تھے۔ وہ چونکہ خود بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے، اس لیے ان کے شاگردوں نے ان کی ذاتی رائے کو بھی بڑا درجہ دیا۔

۱۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔ اور باب القرافۃ الصغریٰ میں دفن کیے گئے۔ ان کی قبر مالکیوں کی زیارت گاہ ہے۔

عبدالملک

عبدالملک ابومروان بھی حضرت امام مالکؒ کے بڑے شاگردوں میں سے تھے۔ فقیہ بھی تھے اور صاحب رائے بھی بہت بڑے ادیب۔ بہت بڑے خطیب اور فصیح اللسان تھے۔ ۲۱۵ھ میں انتقال فرمایا۔

اشہب

فقہائے مالکیہ میں ابن القاسم کے بعد اشہب کو جگہ دی گئی ہے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اشہب سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ لیکن ان میں غصہ زیادہ تھا۔ نرم مزاجی نہ تھی۔ غالباً یہی سبب

---

[1] ابن خلکان جز ۲، ص ۲۱۱، ۲۱۲

تھا کہ ان میں اور ابن القاسم میں بنتی نہ تھی۔ جب تک ابن القاسم زندہ رہے، اشہب کا چراغ نہ جلا۔ ان کی موت کے بعد اشہب نے ان کی جگہ لی، اور علمائے مالکیہ اور مشتاقانِ فقہ مالکی کا مرجع بنے۔

ابن خلکان نے ابو عبداللہ القضاعی کی کتاب خِطَطِ مصر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اشہب کے پاس شہر کی ریاست بھی تھی اور بہت سامال بھی۔ وہ مالکؒ کے ساتھیوں میں سب سے زیادہ وسیع نظر کے مالک تھے[1]۔

ان کی تنک مزاجی انہیں امام شافعیؒ سے دُور رکھتی تھی۔ اور وہ ان کی موت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ امام شافعیؒ جب مصر آئے تو علماء کا گروہ ان کی عظمت و بزرگی کے سبب ان پر ٹوٹ پڑا۔ اور اشہب کا حلقۂ درس سکڑ گیا۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم جب امام شافعی کے دامن سے وابستہ ہوئے تو گو مالکیوں نے ان کے باپ عبداللہ بن الحکم کو ورغلانے کی کوشش کی مگر انہوں نے اپنے بیٹے کو امام شافعیؒ سے وابستہ رہنے کا مشورہ دیا۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ اگر تم اشہب کے شاگرد رہے۔ اور کہیں باہر تم نے اشہب عن مالکؒ کہا تو لوگ پوچھیں گے کہ یہ اشہب کون ہیں۔ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشہب نے مصر میں قبولِ عام نہ پایا تھا۔ اور ان کے علم کا شہرہ کہیں باہر نہ ہوا تھا۔ اشہب نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

اصبغ

ابو عبداللہ اصبغ بن الفرج، ابن القاسم، اشہب اور ابن وہب کے شاگرد تھے مگر اتنے ذہین، طبّاع اور فاضل تھے کہ ان کی شہرت ان کے تمام اساتذہ سے بڑھ گئی۔ اور ابن الماجشون جیسے بڑے فقیہ کو کہنا پڑا کہ مصر میں اصبغ سے بڑا عالم کوئی پیدا نہ ہوا۔ ۲۲۵ھ میں وفات پائی۔

ابن وہب

ابو محمد عبداللہ بن وہب القرشی المصری، ابن القاسم کے بعد فقہائے مالکیہ میں وہی درجہ

---

[1] ابن خلکان جزء اوّل ص ۲۱۵، ۲۱۶ء

رکھتے ہیں جو امام محمد کو حنفیہ میں نصیب رہا۔ البتہ امام محمد اور ان میں فرق یہ ہے کہ وہ حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں بیس سال رہے۔ اور امام محمدؒ کو دو سال حضرت کے ساتھ رہنے کا موقعہ ملا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ ابنِ وہب محض مالکی فقیہ ہی نہ تھے بلکہ بہت بڑے محدّث اور واجب الاحترام عالم بھی تھے۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں الموطّا الکبیر والموطا الصغیر بھی ہیں۔ امام مالکؒ انہیں امام کہتے ہیں۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ وہ امام مالک کی خدمت میں ۱۴۸ھ میں حاضر ہوئے اور حضرت امام کی وفات تک ان کے دامن سے وابستہ رہے اور کتنے خوش نصیب تھے یہ ابن وہب جنھیں دنیا کے اس بہت بڑے محدّث کا اتنا لمبا ساتھ نصیب ہوا۔ امام مالکؒ جب بھی ان کی طرف خط لکھتے تو انھیں یوں خطاب کرتے:۔ "الیٰ عبد اللہ بن وھب المفتی"

ابن وہب نے فقہ میں بھی کئی کتابیں لکھیں۔ ان کی جلالتِ قدر اور علمی بزرگی کے اعتراف میں جب خلیفہ نے انھیں مصر کا قاضی بنانے کا حکم دیا تو وہ کئی دن تک گھر میں چھپے رہے اور باہر نہ نکلے اور جب باہر نکلے تو ابن وہب کے ایک ساتھی نے ان سے کہا کہ آپ باہر کیوں نہیں نکلتے، اور لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ کار کے موافق کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے جواب دیا:-

"تمہاری عقل کہاں گئی۔ تمہیں معلوم ہے کہ علماء کا حشر انبیاء کے ساتھ ہوگا اور قاضیوں کا بادشاہوں کے ساتھ[1]"

سبحان اللہ کتنی بڑی شخصیت تھی ان کی اور کیسی بے نیازی ان کے حصّہ میں آئی تھی۔ یقیناً ایسے لوگ واجب التکریم تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ مصر کے لوگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور انھیں مقتدا و پیشوا مانتے تھے۔ ابن وہب ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے۔

---

[1] ابن خلکان جز ۱، ص ۲۴۱

ابنِ عبد الحکم

مصر میں اشہب کے بعد مالکیوں کی امامت عبد الحکم کو نصیب ہوئی، وہ مصر کے سب سے بڑے عالم و فقیہ تھے۔ یوں بھی دولتمند تھے۔ مصر میں انھیں ہر طبقہ میں عزت حاصل تھی۔ وہ بڑے فیاض اور علماء کے بڑے قدر دان تھے۔ اشہب کی طرح تنگ دل اور بخیلے نہ تھے۔ ابن خلکان نے القضاعی کی روایت نقل کی ہے کہ امام شافعیؒ جب مصر آئے تو انھوں نے ان کی خدمت میں چار ہزار دینار پیش کیے جن میں سے ایک ہزار خود دیئے تھے اور تین ہزار دینار اپنے دوستوں سے جمع کیے تھے اور اپنے بیٹے محمد کو ان کی خدمت میں پیش کیا کہ اسے تعلیم دیں۔

ابنِ عبد الحکم مصر کے بہت بڑے مؤرخ بھی ہیں۔ ان کی کتاب سیرت عمر بن عبد العزیز بہت مشہور تصنیف ہے۔ انہوں نے ۲۱۴ھ میں وفات پائی اور حضرت امام شافعیؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

التنوخی

یہ ابن القاسم، ابنِ وہب اور اشہب کے شاگرد تھے۔ مغرب میں ان سے بڑا کوئی مالکی فقیہ نہ تھا۔ قیروان کے قاضی بنائے گئے تھے۔ اور المدوّنہ ان ہی کی طرف منسوب ہے۔ فقہِ مالکی میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسے انہوں نے ابن القاسم سے نقل کیا ہے۔ قیروان میں یہی کتاب مالکیوں کا مرجع رہی۔ ابن القاسم، سحنون التنوخی پر بہت مہربان تھے اور انہیں اپنے دوسرے شاگردوں سے ترجیح دیتے تھے۔

ابن خلکان فرماتے ہیں کہ التنوخی سے لوگوں نے بہت فیض پایا اور مغرب میں ان کے سبب مذہب مالکی خوب پھیلا۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

الثعلبی

مالکی فقہا میں ابو محمد عبد الوہاب بن علی الثعلبی البغدادی کو بھی بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ انہوں نے مذہب میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں "التلقین"، "المعونۃ" بہت اہم ہیں۔

"التلقین" کے متعلق ابن خلکان فرماتے ہیں :-

"ھو مع صغیر حجمہ من خیار الکتب واکثرھا فائدۃ"۔[۱]

وہ اپنے حجم کے صغر کے باوجود بہترین کتابوں میں سے ہے اور بہت مفید ہے۔ خطیب اور ابن بسام نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کو فقہائے مالکیہ میں بہت بڑا فقیہ مانا ہے۔ سنہ ۴۲۲ھ میں انتقال فرمایا۔

ابن الحاجب

ابو عمرو عثمان بن عمر بھی اپنے زمانہ میں بہت مشہور ہوئے۔ وہ عزّ الدین موسک الصلاحی کے حاجب یا وزیر اعظم کے بیٹے تھے۔ مصر میں تعلیم پائی اور دمشق میں آن کر زاویہ مالکیہ میں مسند درس بچھائی۔ اور مختصر کے نام سے فقہ میں ایک جیّد کتاب تصنیف کی۔ وہ صرف و نحو کی مشہور کتابوں شافعیہ اور کافیہ کے مصنّف ہیں۔ سنہ ۶۴۰ھ میں فوت ہوئے۔

الاسکندرانی

ابو الحسن علی بن الانجب بھی بڑے فقہائے مالکیہ میں گنے گئے ہیں۔ وہ حدیث کے سبب بھی بہت ممتاز تھے۔ اسکندریہ میں چشمۂ فیضِ عام جاری کیا۔ سنہ ۶۱۶ھ میں انتقال فرمایا۔

المازنی

ابو عبداللہ محمد بن علی المازنی۔ بڑے علماء میں سے تھے۔ کئی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ کتاب المعلم کے نام سے صحیح مسلم کی شرح لکھی۔ صقلیہ کے شہر مازن کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔

---

[۱] ابن خلکان جزء ۲ ص ۳۸۷ [۲] ابن خلکان جزء ۳ ص ۴۱۳